1

اپنے اندر صحابہؓ کے سے آداب اور قوّتِ ایمان پیدا کرو

(فرمودہ 7 جنوری 1944ء بمقام لاہور)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہو گا جلسہ سالانہ کے معًا بعد جو مجھے یہاں آنا پڑا تو کچھ اس کی وجہ سے، کچھ رستہ کے گرد و غبار کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے کہ جلسہ کے کام کے نتیجہ میں میرا گلا پہلے ہی خراب ہو رہا تھا، یہاں آ کر مجھے کھانسی اور نزلہ کی شکایت ہوگئی اور کل سے تو نزلہ کی شکایت میں پھر تیزی پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے میں باہر نمازیں پڑھانے کے لیے بھی نہیں آسکا۔ اس وجہ سے اور اس وجہ سے بھی کہ میری ایک بیوی (مریم صدیقہ بیگم) کا آج گلے کا آپریشن ہوا ہے اور مجھے ان کا حال معلوم کرنے کے لیے جلدی جانا ہے مَیں مختصر خطبہ ہی پڑھا سکتا ہوں اور اس مجبوری کی وجہ سے نماز کے بعد بھی بغیر دوستوں سے مصافحہ کیے مجھے واپس جانا ہو گا۔ گویا 20، 25 منٹ یا آدھ گھنٹہ میں مَیں یہاں سے اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی روانہ ہو جاؤں گا۔ اس لیے جیسا کہ میں نے بتایا ہے میں نہایت ہی مختصر الفاظ میں خطبہ کہہ سکتا ہوں اور چونکہ میری آواز دور نہیں جاسکتی اس لیے جب تک لاؤڈ سپیکر کام کرے گا

اُسی وقت تک میں دوستوں تک اپنی آواز پہنچاسکوں گا۔

سب سے پہلے تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہماری جماعت کو تعداد کے لحاظ سے بہت بڑی زیادتی بخشی۔ ایک وہ وقت تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں اگر جلسہ سالانہ پر اتنے آدمی جمع ہوتے جتنے اِس مسجد میں اِس وقت جمع ہیں تو اسے بہت بڑی کامیابی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اِس وقت کتنے آدمی مسجد میں جمع ہوں گے لیکن میرا خیال ہے پانچ چھ سو کے قریب ضرور ہوں گے اور اتنے ہی یعنی سات سو کے قریب آدمی تھے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے آخری سال قادیان میں جلسہ سالانہ پر جمع ہوئے۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس وقت بار بار فرماتے تھے کہ خدا نے ہمیں جس کام کے لیے دنیا میں بھیجا تھا وہ ہو گیا ہے اور اب اتنی بڑی جماعت پیدا ہو گئی اور اتنی کثرت سے لوگ ایمان لے آئے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں ہمارا مقصد جو اِس دنیا میں آنے کا تھا وہ پورا ہو گیا ہے۔ اب کُجا وہ دن تھا کہ جلسہ سالانہ پر اس قدر اژدہام کو عظیم الشان اژدہام سمجھا جاتا تھا اور کُجا یہ وقت ہے کہ اب لاہور شہر میں ہی ہماری ایک جمعہ کی نماز میں اِس کے قریب قریب آدمی جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اُس کی تائید کا ایک عظیم الشان نشان ہے اور جن جماعتوں کے ساتھ اس کی نصرت ہوتی ہے وہ اسی طرح بڑھتی چلی جاتی اور دشمن کی نگاہوں میں کانٹوں کی طرح کھٹکنے لگ جاتی ہیں لیکن خدا تعالیٰ کی تقدیر پورا ہوئے بغیر نہیں رہتی اور باوجود دشمنوں کی حاسدانہ نگاہوں کے وہ اپنی جماعت کو بڑھاتا اور اُسے دنیا میں ترقی دیتا چلا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ یہ چیز اپنی ذات میں ہمارے لیے بہت بڑی خوشی کا موجب ہے لیکن سب سے بڑی بات جس کا ہمیں ہر وقت فکر رکھنا چاہیے، وہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کا ایمان اور اس کے اخلاق درست رہیں۔ ہمیں اپنی تعداد پر کبھی اس قدر اطمینان کا اظہار نہیں کرنا چاہیے جس قدر اس بات کا ہمیں فکر رکھنا چاہیے کہ ہماری جماعت کے اخلاق اور اس کی عادات میں کس حد تک ترقی ہو رہی ہے۔

ابھی یہاں مسجد میں داخل ہونے سے پہلے مجھے ایک دوست ملے۔ مجھے اس وقت تک یہ معلوم نہیں تھا کہ لاؤڈ سپیکر کا مسجد میں انتظام کر لیا گیا ہے، مَیں نے ان سے کہا کہ قادیان میں جب مَیں جمعہ کا خطبہ پڑھ رہا ہوتا ہوں تو مجھے یہی احساس ہوتا ہے کہ مَیں جمعہ پڑھا رہا ہوں۔ لیکن لاہور میں جہاں کی جماعت قادیان کی جماعت کے مقابلہ میں پانچواں حصہ بھی نہیں، جب مَیں خطبہ پڑھنے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا کسی جلسہ میں تقریر کرنے کے لیے کھڑا ہوں۔ کیونکہ یہاں وہ سکون اور وہ خاموشی نہیں ہوتی جو قادیان میں جمعہ کے موقع پر سات آٹھ گنے زیادہ افراد پر طاری ہوتی ہے۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں جب جمعہ کے دن خطیب خطبہ کے لیے کھڑا ہو تو ہر شخص کو خاموش رہنا چاہیے اور کسی شخص کو بھی خطبہ کے وقت دوسرے سے گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم نہ ہو کہ خطبہ میں بولنا منع ہے اور وہ بول پڑے تو دوسرا آدمی جو اسے منع کرنا چاہے اسے بھی یہ نہیں کہ وہ بول کر منع کرے بلکہ اگر بالکل ہی مجبوری ہو جائے تو وہ اشارہ سے دوسرے کو کلام کرنے سے منع کرے، زبان سے کوئی لفظ نہ نکالے۔1 پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تو یہاں تک حکم دیا ہے کہ خطبہ میں جو شخص شور مچا رہا ہو اُسے بھی بول کر نہ روکا جائے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں بعض لوگ خطبہ میں باتیں کر لیتے اور بعض دفعہ بِلاوجہ ایک دوسرے کو اشارے کرتے ہیں۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شریعت کا ایک حکم توڑنے والے کو اشارہ سے منع کرنے کی اجازت دی ہے۔ مگر یہاں لوگ بعض دفعہ ہاتھ کے اشارے سے دوسرے کو اپنے پاس بلا لیتے ہیں اور بعض دفعہ ہاتھ کے اشارے سے کوئی اَور حرکت کر لیتے ہیں۔ مثلاً پانی منگوانا ہو تو ہاتھ کے اشارہ سے منگوا لیں گے۔ حالانکہ خطبہ کی حالت میں سوائے خطیب کے اور سوائے ایسی صورت کے جو ناگزیر ہو اور جب ایسے خطرہ کی حالت ہو کہ بولنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہے، کسی کے لیے بولنا جائز ہی نہیں ہوتا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجالس میں اس قدر خاموشی ہوتی تھی کہ صحابہؓ کہتے ہیں کہ کَاَنَّ عَلٰی رُؤُوْسِھِمُ الطُّیُوْرُ۔2 یوں معلوم ہوتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والے ہر شخص کے سر پر

پرندہ بیٹھا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں نے سر ہلایا تو پرندہ اڑ جائے گا۔ اگر کسی مجلس میں دس پندرہ آدمی بیٹھے ہوں اور ان میں سے ہر شخص کے سر پر پرندہ بیٹھا ہو اور ان میں یہ شرط طے پا جائے کہ ہمیں اس طرح سکون کے ساتھ بیٹھنا چاہیے کہ یہ پرندے ہمارے سروں پر سے اُڑیں نہیں تو جس خاموشی کے ساتھ وہ بیٹھ سکتے ہیں اُسی قسم کی خاموشی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والوں پر طاری ہوا کرتی تھی۔ پرندہ انسان سے بہت بھاگتا ہے۔ پھر اگر پرندہ کسی انسان کے سر پر بیٹھا ہوا ہو تو اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ حرکت سے بھی اُڑ جائے گا مگر صحابہؓ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تو ایسے ساکت اور ایسے خاموش ہوتے کہ اگر پرندے بھی ان کے سروں پر اُس وقت بیٹھے ہوتے تو انہیں یہ پتہ نہ چلتا کہ وہ درختوں پر بیٹھے ہیں یا آدمیوں کے سروں پر بیٹھے ہیں۔ صحابہؓ کی یہی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ کَاَنَّ عَلٰی رُؤُوْسِهِمُ الطُّيُوْرُ یعنی وہ قطعی طور پر خاموش رہتے تھے اور کوئی ایسی حرکت نہیں کرتے تھے جو اس مجلس کے آداب کے خلاف ہو۔ پس ہمیں بھی اپنے اندر وہ آداب پیدا کرنے چاہییں جو صحابہؓ کے اندر پائے جاتے تھے اور وہی قوتِ ایمان ہمیں اپنے اندر پیدا کرنی چاہیے جو صحابہؓ کے اندر پائی جاتی تھی۔ جب تک ہم ان آداب کو اختیار نہیں کرتے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہؓ میں پائے جاتے تھے اُس وقت تک ہم ان فتوحات کی قطعی طور پر امید نہیں کر سکتے جو ہمارے لیے مقدر ہیں اور نہ ان فتوحات کی امید کر سکتے ہیں جو اسلام کو حاصل ہونے والی ہیں۔ کیونکہ ان فتوحات کا ہمارے ساتھ تعلق ہے اور ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم اپنے نفوس کو ان فتوحات کا اہل ثابت کریں۔ اگر ہم اپنے نفوس میں کوئی تغیر پیدا نہیں کرتے، اگر ہم وہ آداب اختیار نہیں کرتے جو صحابہؓ نے اختیار کیے، اگر ہم اُس طریقِ عمل پر نہیں چلتے جس طریقِ عمل پر صحابہؓ چلے تو اس کے معنے یہ ہیں کہ ہم اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان فتوحات سے محروم رکھ رہے ہیں جو فتوحات ہمارے ذریعے سے اسلام اور احمدیت کو حاصل ہونے والی ہیں۔ کسی جماعت کی طاقت اور قوت کا صحیح معیار یہ ہوا کرتا ہے کہ اس جماعت کے امام کو یہ معلوم ہو کہ میرے احکام کی کس حد تک پابندی کی جائے گی اور درحقیقت وہی امام دنیا میں لڑائی لڑ سکتا ہے جو جانتا ہو کہ

میں نے جو بھی حکم دیا لوگ اس کی اطاعت کریں گے۔ اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِہٖ[3] کہ امام ایک ڈھال کی طرح ہوتا ہے جس کے پیچھے ہو کر لڑائی لڑی جاتی ہے۔ جب وہ ڈھال آگے کرتا ہے تو جماعت بھی آگے ہو جاتی ہے اور جب پیچھے کرتا ہے تو جماعت بھی پیچھے ہو جاتی ہے۔ جب تک یہ بات کسی جماعت میں پیدا نہ ہو اور جب تک امام کو یہ معلوم نہ ہو کہ لوگوں کے اندر اطاعت اور فرمانبرداری کی ایسی روح پائی جاتی ہے کہ اگر میں کہوں گا بیٹھ جاؤ تو سب بیٹھ جائیں گے، اگر کہوں گا کھڑے ہو جاؤ تو سب کھڑے ہو جائیں گے، اگر کہوں گا لیٹ جاؤ تو سب لیٹ جائیں گے اُس وقت تک وہ کبھی دلیری سے دشمن پر حملہ نہیں کر سکتا۔

مشہور ہے کہ کوئی شخص کسی کے گھر مہمان آیا۔ اس نے اپنے نوکر کو ہر قسم کے ضروری آداب سکھائے ہوئے تھے جس کی وجہ سے وہ بروقت اور نہایت عمدگی سے کام کرنے کا عادی تھا۔ اتفاقاً مہمان کے سامنے میزبان کو کسی چیز کی ضرورت پیش آگئی۔ مثلاً دہی کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس نے اپنے نوکر کو دہی لینے کے لیے بازار بھیج دیا اور اس دوست سے کہا، میرا نوکر بہت مؤدب اور فرض شناس ہے جو کام بھی اسے کرنے کے لیے کہا جائے وہ ٹھیک وقت کے اندر اسے سرانجام دیتا ہے۔ چنانچہ کہنے لگا دیکھ لیجیے میں نے اسے دہی لینے کے لیے بازار بھیجا ہے اور دکان تک دو منٹ کا راستہ ہے اب چونکہ ایک منٹ گزر چکا ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ وہ فلاں جگہ تک پہنچ گیا ہو گا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا اب مجھے یقین ہے کہ وہ دکان تک پہنچ گیا ہو گا۔ پھر منٹ دو منٹ انتظار کرنے کے بعد جو سودا خریدنے پر صَرف ہو سکتے تھے وہ کہنے لگا اب مجھے یقین ہے کہ وہ دہی لے کر وہاں سے چل پڑا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا اب وہ فلاں نکڑ تک پہنچ گیا ہے۔ کچھ اَور دیر گزری تو کہنے لگا اب مجھے یقین ہے کہ اب وہ ڈیوڑھی میں آچکا ہے۔ چنانچہ اُس نے آواز دی کہ کیوں میاں! دہی لے آئے؟ نوکر کہنے لگا حضور! حاضر ہے۔ یہ نمونہ ایسا اعلیٰ تھا کہ اسے دیکھ کر ہر شخص کی طبیعت خوشی محسوس کرتی تھی۔ چنانچہ مہمان بھی بہت خوش ہوا اور اس نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ مَیں بھی اپنے نوکر کی ایسی ہی تربیت کروں گا مگر وہ مہمان خود اُجڈ اور جاہل تھا۔ اس نے اپنے نوکر کو تہذیب و شائستگی

کے اصول کیا سکھانے تھے اس کے اپنے کاموں میں بھی کوئی باقاعدگی نہ پائی جاتی تھی مگر اس کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے کہا اب میں بھی اپنے نوکر کو ایسی ہی تہذیب سکھاؤں گا۔ چنانچہ اس نے واپس جاکر اپنے نوکر کو سکھانا شروع کر دیا مگر وہ اُجڈ، اَن پڑھ اور جاہل تھا۔ اُس پر اِن سبقوں کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ پانچ چھ ماہ گزر گئے تو اس نے اپنے شہری دوست کی دعوت کی اور اسے کہا کہ گاؤں کی آب و ہوا بہت اچھی ہوتی ہے آپ میرے ہاں تشریف لائیں۔ چنانچہ وہ اس دعوت پر اس کے گاؤں میں گیا۔ جب دستر خوان بچھا تو اس نے بھی اس کی نقل کرنی شروع کر دی۔ زمینداروں کے گھروں میں عام طور پر دہی ہوتا ہے مگر اس نے چونکہ اپنے دوست کو یہ بتانا تھا کہ میرا نوکر بھی بڑا ہوشیار اور فرض شناس ہے اس لیے اسے آواز دے کر کہنے لگا میاں! ذرا جانا اور فلاں دکاندار کے ہاں سے دہی تو لے آنا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا میرا نوکر بھی بڑا ہوشیار اور مؤدب ہے اب وہ فلاں جگہ پہنچ چکا ہوگا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا مجھے یقین ہے کہ اب وہ دکان تک پہنچ چکا ہوگا۔ پھر کہنے لگا اب وہ دہی لے رہا ہوگا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا اب وہ دہی لے کر وہاں سے ضرور چل پڑا ہے۔ ایک منٹ کے بعد کہنے لگا اب وہ فلاں جگہ پہنچ چکا ہوگا۔ پھر کچھ وقت گزرا تو کہنے لگا کہ اب مجھے یقین ہے کہ وہ دہی لے کر ڈیوڑھی میں پہنچ چکا ہے۔ چنانچہ اسے آواز دے کر کہنے لگا کیوں میاں! دہی لے آئے؟ نوکر کہنے لگا "تُسیں اینے کاہلے کیوں پے گئے ہو! مَیں جُتّی تے لب لواں۔ فیر دہی بھی لے آواں گا"۔ یعنی آپ اتنی جلدی کیوں کرتے ہیں! مَیں جوتی تو تلاش کر لوں پھر دہی بھی لے آؤں گا۔

اب بتاؤ! ایسے انسان جس کے تحت ہوں اُس نے دشمن سے کیا مقابلہ کرنا ہے۔ مقابلہ کی جرأت تو وہی کرتا ہے جو دل میں یہ یقین اور وثوق رکھتا ہو کہ میرے ہر حکم کی لوگ اطاعت کریں گے اور جانتا ہو کہ جب بھی مَیں کوئی حکم دوں گا وہ نتائج اور عواقب کی پروا کیے بغیر اس کی تعمیل پر کمربستہ ہو جائیں گے۔ اگر مَیں کہوں گا اٹھو! تو وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اگر کہوں گا بیٹھو! تو وہ بیٹھ جائیں گے۔ اگر کہوں گا آگے بڑھو! تو وہ آگے بڑھیں گے۔ اور اگر کہوں گا پیچھے ہٹو! تو وہ پیچھے ہٹ جائیں گے۔ مگر آجکل ہمارے زمانہ میں بالخصوص

ہندوستانیوں کی یہ ذہنیت ہے کہ اگر وہ فوج میں باقاعدہ کام نہ کرتے ہوں، انہیں ملازمت سے برطرف کیے جانے یا تنخواہ کے بند ہو جانے کا ڈر نہ ہو اور وہ اسی طرح رضاکارانہ رنگ میں کام کر رہے ہوں جس طرح ہماری جماعت کام کر رہی ہے تو اگر ان کا امام یا لیڈر انہیں یہ کہے کہ چلو! دشمن پر حملہ کرو اور وہ بڑی امیدوں اور بہت بڑی امنگوں کے بعد ایسا حکم دے تو ان میں سے کوئی شخص یہ کہنے لگ جائے گا کہ حملہ کے لیے اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے مَیں اپنے کپڑے تو گھر سے لے آؤں۔ کوئی کہے گا مَیں اپنا مال تو کسی محفوظ جگہ میں رکھ لوں۔ کوئی کہے گا مَیں اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کا سامان تو کر لوں۔ غرض کوئی کچھ بہانہ بنانے لگ جائے گا اور کوئی کچھ۔ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے صرف ظاہری سامانوں کے ساتھ کسی جماعت کا اپنی کامیابی کی امید رکھنا بالکل غلط ہوتا ہے۔ کامیابی اُسی جماعت کو حاصل ہوتی ہے جسے جن الفاظ میں حکم دیا جائے وہ ان الفاظ کی اتباع کرے اور ایک لمحہ کے لیے بھی اطاعت سے انحراف نہ کرے۔ مثلاً مجھے یہاں آتے ہی مقامی امیر صاحب نے بتایا کہ دوستوں سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ مصافحہ نہ کریں۔ مَیں نے کہا یہ تو آپ نے ٹھیک کیا کہ ایسا اعلان کر دیا کیونکہ مَیں نے جلدی واپس جانا ہے لیکن دیکھنے والی بات یہ ہے کہ لوگ اس امر کی کہاں تک تعمیل کرتے ہیں۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ ایسے مواقع پر جب یہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ کوئی شخص مصافحہ نہ کرے تو پھر بھی کوئی نہ کوئی شخص آگے بڑھ کر مصافحہ کر لیتا ہے اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ مصافحہ کرنا تو منع تھا تم نے مصافحہ کیوں کیا؟ تو وہ شور مچانے لگ جاتا ہے کہ کوئی شخص مصافحہ نہ کرے۔ حالانکہ وہ خود مصافحہ کر چکا ہوتا ہے۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو چودھری سمجھ لیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اِس قسم کے حکم کی فرمانبرداری دوسروں پر فرض ہے ان پر نہیں۔ حالانکہ جو شخص اپنے آپ کو قوم میں سے اعلیٰ فرد سمجھتا ہے، جو خیال کرتا ہے کہ مَیں دوسروں سے زیادہ مقرب ہوں یا جماعت کا افسر اور اس کا عہدہ دار ہوں اسے اطاعت اور فرمانبرداری کا بھی دوسروں سے اعلیٰ نمونہ دکھانا چاہیے۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھ لیتا ہے۔ اول تو ایسے موقع پر جب خلیفہ یا کوئی اَور افسر آ رہا ہو اسے اطلاع دینی چاہیے کہ ہم نے ایسا قانون بنا دیا ہے تا کہ اسے بھی معلوم ہو کہ کس قانون کا اعلان کیا گیا ہے اور وہ

معلوم کر سکے کہ لوگ اس قانون کا کس حد تک احترام کرتے ہیں۔ پھر میرے نزدیک ایسے حالات میں مقدم امر یہ ہوتا ہے کہ امیر یا پریذیڈنٹ یا کوئی اَور عہدیدار خود بھی مصافحہ نہ کرے تاکہ وہ دوسروں کے لیے نمونہ بنے اور اگر اُس نے اپنے آپ کو مستثنیٰ ہی رکھنا ہو تو اس کا فرض ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کر دے کہ مَیں فلاں فلاں وجوہ سے اس حکم سے مستثنیٰ رہوں گا۔ اس کے بعد وہ بے شک مستثنیٰ سمجھا جائے گا۔ مگر اس اعلان کے بغیر اگر وہ اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھ لے تو اس کا دوسروں پر اچھا اثر نہیں پڑ سکتا اور میرے نزدیک بعض حالات یقیناً ایسے پیدا ہو سکتے ہیں جب اس قسم کے حکم سے بعض لوگوں کو مستثنیٰ کرنا ضروری ہو۔ مثلاً استقبال ہے۔ اگر ساری جماعت استقبال کے لیے کھڑی ہے اور خلیفۂ وقت یا امیر یا جماعت کا کوئی افسر آرہا ہے تو ایسے موقع پر کوئی نہ کوئی ایسے لوگ ضرور مقرر کرنے پڑیں گے جو دوسروں سے آگے بڑھ کر استقبال کا فرض ادا کریں۔ یہ نہیں ہوگا کہ سب قطاروں میں کھڑے رہیں اور کوئی شخص بھی استقبال کے لیے آگے نہ بڑھے۔ لیکن بہر حال ایسے موقع پر پہلے سے یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ اس ضرورت کے ماتحت فلاں فلاں دوست مستثنیٰ ہوں گے۔ تاکہ لوگوں پر یہ اثر نہ ہو کہ آپ ہی ایک حکم دیا جاتا ہے اور آپ ہی اس کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ یہ ایک غلط خیال ہے جو بعض افسروں کے اندر پایا جاتا ہے اور بعض ماتحت بھی سمجھتے ہیں کہ افسر اپنے حکم کا خود پابند نہیں ہوتا۔ حالانکہ اُس حکم کا وہ ایسا ہی پابند ہوتا ہے جیسے دوسرے لوگ۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتا ہے تو لوگوں سے کہہ دے اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ 4 یعنی جب مَیں کوئی بات کہتا ہوں تو سب سے پہلے اس بات کا مخاطب میرا نفس ہوتا ہے اور مَیں اپنے آپ کو اس پر عمل کرنے والا قرار دیتا ہوں۔ لیکن پھر بھی اگر کسی وجہ سے مقامی امیر یا کوئی افسر اپنے آپ کو مستثنیٰ کرنا چاہے تو اُسے یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ اس حکم کا اطلاق مجھ پر نہیں ہوگا۔ تاکہ جماعت میں اگر بعض ایسے کمزور طبع لوگ موجود ہوں جنہیں دھوکا لگ سکتا ہو تو اس قسم کے اعلان کی وجہ سے وہ دھوکا نہ کھائیں اور ٹھوکر سے محفوظ رہیں۔

غرض جماعتی ترقی کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ لوگوں کے اندر کامل

فرمانبرداری اور اطاعت کا مادہ پایا جاتا ہو۔ اگر امام کو یہ یقین ہو اور وہ کامل وثوق سے کہہ سکتا ہو کہ لوگ میرے ہر حکم کی اطاعت کریں گے تو مَیں سمجھتا ہوں جتنا کام وہ پہلے کرتا ہو اس سے کئی گنا زیادہ کام وہ کر سکتا ہے۔ مثلاً مجھے اپنی جماعت کے بارہ میں بہت سی باتوں کے متعلق یہ یقین اور وثوق ہے کہ اُن امور میں جماعت میری فرمانبرداری کرے گی۔ مگر جن باتوں کے متعلق میرا تجربہ نہیں اُن میں ہمیشہ مجھے شبہ ہی رہتا ہے کہ نہ معلوم جماعت کے افراد اُن باتوں میں بھی اطاعت کا کامل نمونہ دکھائیں گے یا نہیں۔ اگر مجھے یقین ہو کہ ان باتوں میں بھی جماعت اُسی ایمان اور اُسی اِخلاص اور اُسی اطاعت کا نمونہ دکھائے گی جس ایمان، اخلاص اور اطاعت کا نمونہ وہ دوسری باتوں میں دکھا چکی ہے تو میرا کام پہلے سے کئی گنا بڑھ جائے۔ مگر اب ہر قدم کے اٹھاتے وقت مجھے دیکھنا پڑتا ہے کہ جماعت کے کمزور طبقہ کو مَیں اپنے ساتھ چلا سکتا ہوں یا نہیں۔ بے شک الٰہی جماعتوں پر ایک وقت ایسا بھی آتا ہے، جب اس بات کی پروا نہیں کی جاتی کہ کمزور پیچھے رہ گئے ہیں۔ مگر بہرحال جب تک وہ وقت نہیں آتا کمزور طبع کا خیال رکھنا ہی پڑتا ہے۔

غزوہ تبوک کے موقع پر کئی لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آتے اور آپ سے جنگ پر نہ جانے کی اجازت حاصل کرتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ان کی کمزوریٔ ایمان کو دیکھتے ہوئے انہیں اجازت دے دیتے۔ وہ بظاہر تو مومن تھے مگر ان کے دل میں نفاق تھا اور اس وجہ سے جنگ پر جانے سے ان کا دل لرزتا تھا۔ کوئی آتا اور کہتا میری بیوی بیمار ہے، کوئی کہتا اگر مَیں گیا تو میری فصل کو نقصان ہو گا، کوئی کہتا میرے بغیر گھر کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں، کوئی کہتا اگر میں جنگ پر چلا گیا تو میرا مال سب برباد ہو جائے گا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس خیال سے کہ یہ کمزور طبقہ جماعت کے ساتھ شامل رہے انہیں اجازتیں دینی شروع کر دیں۔ چنانچہ جس نے بھی آپ سے پوچھا آپ نے فرمایا بہت اچھا تم رہ جاؤ۔ مگر جب آپ جنگ سے واپس تشریف لائے تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو الہاماً فرمایا کہ تمہیں یہ حق حاصل نہیں تھا کہ تم ان کو جنگ سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دیتے۔ اب خدا نے فیصلہ کر دیا ہے کہ جو لوگ کمزور ہیں انہیں پیچھے

کر دیا جائے اور جماعت کو ترقی کے میدان میں بڑھا دیا جائے۔ 5 پس بے شک پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کمزوروں کو جماعت کے طاقتور حصہ کے ساتھ شامل رکھتے مگر پھر الٰہی حکم کے ماتحت آپ نے ان کو پیچھے کر دیا۔ چنانچہ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منافقوں کو ننگا کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ اکثر لوگوں کو نظر آنے لگ گئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر بھی حیا سے کام لیا اور صرف چند صحابہؓ کو ان منافقین کے نام بتائے مگر بہر حال آپ نے ان کو بے نقاب کر دیا۔ حضرت حذیفہؓ کو اس بات کا بڑا شوق رہتا تھا کہ وہ منافقوں کے نام معلوم کریں۔ چنانچہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑے رہتے اور کہتے یا رسول اللہ! مجھے ان کے نام ضرور بتا دیجیے۔ میں ڈرتا ہوں کہ میں کسی منافق کے پیچھے نماز نہ پڑھ لوں یا غلطی سے کسی منافق کا جنازہ نہ پڑھ لوں اور آپ انہیں بتا دیتے۔ 6 مگر فرماتے دیکھو! حیا سے کام لینا اور ان کو بدنام نہیں کرنا۔ چنانچہ صحابہؓ کہتے ہیں ہم جب حضرت حذیفہؓ سے پوچھتے کہ کون کون منافق ہے؟ تو وہ ان کے نام نہ بتاتے۔ لیکن ہم اگر دیکھتے کہ حضرت حذیفہؓ کو کسی مسلمان کا جنازہ پڑھنے کا موقع تو ملا مگر انہوں نے اُس کا جنازہ نہیں پڑھا تو ہم بھی اُس کا جنازہ نہ پڑھتے اور سمجھ لیتے کہ وہ ضرور منافق ہو گا۔ اِسی طرح اگر حذیفہؓ کسی شخص کے پیچھے نماز پڑھنے سے گریز کرتے تو ہم بھی اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے اور سمجھ لیتے تھے کہ وہ منافق ہے۔ تو ایک وقت ایسا آیا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گو منافقوں کا نام لے کر اُن کی تشہیر نہیں فرمائی مگر عملی طور پر آپ اُن کو پیچھے چھوڑ گئے اور وہ تمام جماعت سے الگ نظر آنے لگ گئے۔ اسی طرح ہماری جماعت میں بعض ایسے لوگ موجود ہیں جن کے متعلق یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر اسلام اور احمدیت کے لیے جان اور مال کُلّی طور پر قربان کر دینے کا مطالبہ کیا گیا تو وہ اپنی جان، اپنے مال، اپنے بیوی بچوں اور اپنے وطن کو قربان کرتے ہوئے آگے بڑھیں گے اور اسلام اور احمدیت کے منشاء کے مطابق کام کریں گے یا نہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے گزشتہ تجربہ کی بناء پر میں امید کرتا ہوں کہ جب بھی اسلام اور احمدیت کی طرف سے انتہائی قربانی کا مطالبہ کیا گیا اکثر احمدی لبّیک کہتے ہوئے آگے بڑھیں گے اور اپنی جانوں،

اور اپنے اموال کو قربان کر دیں گے۔ لیکن پھر بھی اِس بات کا یقین نہیں آتا کہ اگر وہ دن آ گیا اور اگر الٰہی مشیّت نے کسی دن یہ فیصلہ کر دیا کہ اب سب لوگ آگے بڑھیں اور اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو قربان کر دیں تو جماعت میں سے کتنے لوگ اس کی اطاعت کرنے والے ہوں گے اور کتنے لوگ یہ کہنے والے ہوں گے کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ **7** مگر بہرحال ہر مومن کو اپنے دل میں اس مقصدِ عظیم کے لیے تیار ہونا چاہیے اور ابھی سے اس آنے والے دن کے لیے تیاری کرنی چاہیے۔

غفلت کا سب سے بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ انسان یہ سمجھتا ہے میرے ساتھ یہ معاملہ پیش نہیں آ سکتا یا میرے ساتھ وہ معاملہ پیش نہیں آ سکتا۔ مثلاً اس زمانہ میں ہمیں یہ یقین ہے کہ تلوار کے جہاد کا کوئی موقع نہیں آئے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت یہ اعلان کیا ہے کہ اس زمانہ میں تلوار کے جہاد کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ماتحت ملتوی کر دیا ہے۔ **8** مگر اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہ تلوار کے جہاد کا التواء کتنی دیر تک ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والی پہلی جماعت ہم ہیں اور اس وجہ سے تلوار کے جہاد کا وقت ہم پر نہیں آ سکتا۔ لیکن پھر بھی ہمارے دلوں میں یہ ایمان ہونا چاہیے کہ گو خدا تعالیٰ ہمیں تلوار کے جہاد کے لیے کھڑا نہیں کرے گا لیکن اگر اس کی مشیّت تلوار کے جہاد کا فیصلہ کر دے تو موقع آنے پر ہم اس جہاد کے لیے تیار ہوں گے اور اپنی جانیں احمدیت کے لیے قربان کر دیں گے۔ جب تک ہم اُس قربانی کے لیے اپنے آپ کو تیار نہیں کرتے بلکہ جب تک ہم ہر اس قربانی کے لیے اپنے آپ کو تیار نہیں کرتے جو پہلے انبیاء کی جماعتوں کو کرنی پڑی اور اپنے نفوس کو اس بات پر آمادہ نہیں کرتے کہ جب بھی اور جس قسم کی قربانی کا بھی موقع آیا ہم اپنے آپ کو پیش کر دیں گے اُس وقت تک ہم کبھی بھی اپنے ایمان کی پختگی پر یقین نہیں رکھ سکتے۔ اور ہم کبھی بھی اطمینان کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم پر وہ دن نہیں آ سکتا کہ ہم رات کو ایمان کے ساتھ سوئیں اور صبح کافر اُٹھیں یا صبح مومن ہوں اور شام کو کافر ہوں۔ وہ شخص جس کے دل میں پختہ ایمان نہ ہو اور جو ہر وقت اپنے آپ کو ان قربانیوں کے لیے تیار نہ کرتا رہے وہ وقت آنے پر یقیناً اگر

رات کو مومن ہونے کی حالت میں سوئے گا تو صبح کافر اٹھے گا یا صبح مومن ہو گا تو شام کو کافر ہو گا۔

پس ہمیں جہاں اپنی جماعت کی تعداد بڑھانے کی ضرورت ہے وہاں ہر جماعت کے امیر اور پریذیڈنٹ کو چاہیے کہ وہ جماعت کی اخلاقی نگرانی کی طرف بھی توجہ کریں۔ ہر شخص جو اپنے ادنیٰ سے ادنیٰ بھائی یا ہمسایہ یا کسی مذہب وملت سے تعلق رکھنے والے فرد کے مال میں معمولی سے معمولی خیانت بھی کرتا ہے اس کے متعلق تم کبھی یہ خیال نہ کرو کہ وہ خدا کے مال میں خیانت نہیں کرے گا۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ کسی ہندو یا سکھ یا عیسائی یا ایک دہریہ سے معاملہ کرتے وقت دیانت کی ضرورت نہیں تو اس کے متعلق تمہیں یہ کبھی گمان نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مسلمان سے معاملہ کرتے وقت دیانت داری سے کام لے گا۔ جو شخص بد دیانت ہے وہ ہمیشہ بد دیانتی کرے گا خواہ وہ ایک مسلمان سے معاملہ کر رہا ہو یا ایک ہندو، سکھ اور عیسائی سے معاملہ کر رہا ہو۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مسلمان کے مال میں بد دیانتی نہیں کرتا صرف ہندو یا سکھ یا عیسائی یا دہریہ کے مال میں بد دیانتی کرتا ہے۔ کیونکہ بد دیانتی ایسے شخص کی فطرت میں داخل ہو جاتی ہے اور فطرت ایسی چیز ہے جو کبھی نہیں بدلتی۔ اگر کسی اونچی جگہ پر قرآن رکھا ہوا ہو اور اسے ایک مسلمان اور ایک سکھ اٹھانے لگیں اور فرض کرو کہ سکھ لمبے قد کا ہو اور مسلمان چھوٹے قد کا تو یہ نہیں ہو گا کہ چھوٹے قد کے مسلمان کا ہاتھ تو قرآن تک پہنچ جائے اور لمبے قد کے سکھ کا ہاتھ وہاں نہ پہنچے۔ اگر قرآن اونچی جگہ پر ہے تو یقیناً لمبے سکھ کا ہاتھ وہاں تک پہنچ جائے گا لیکن چھوٹے قد کے مسلمان کا ہاتھ وہاں نہیں پہنچے گا۔ اسی طرح اگر سمندر کی تہہ میں کوئی چیز جا پڑی ہے تو ایک مسلمان متقی خدا تعالیٰ کی خشیت اور اس کی محبت رکھنے والا اگر تیرنا نہیں جانتا تو وہ اس چیز کو نہیں نکال سکے گا۔ لیکن ایک ہندو، سکھ، عیسائی بلکہ دہریہ جو مذہب سے بکلی آزاد ہوتا ہے، وہ اگر تیرنا جانتا ہو گا تو وہ اسے نکال لے گا۔ پس فطرت کبھی نہیں بدلتی۔ اِسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کوئی شخص تمہارے پاس آکر یہ کہے کہ اُحد پہاڑ اپنی جگہ سے بدل گیا ہے تو تم اس کی بات کو مان لو لیکن اگر کوئی شخص تمہیں یہ کہتا سنائی دے کہ فلاں شخص کی فطرت بدل گئی ہے تو تم اسے کبھی

تسلیم نہ کرو۔ تو جو شخص بد دیانت ہے وہ ہر جگہ بد دیانتی کرے گا۔ چاہے وہ ہندو سے معاملہ کر رہا ہو یا سکھ سے معاملہ کر رہا ہو یا عیسائی سے معاملہ کر رہا ہو یا ایک مسلمان سے معاملہ کر رہا ہو۔ جو شخص جھوٹ بولنے کا عادی ہے اس کے متعلق یہ یقین کر لینا کہ وہ ایک سکھ سے تو جھوٹ بولے گا، ایک ہندو سے تو جھوٹ بولے گا، ایک عیسائی سے تو جھوٹ بولے گا، ایک دہریہ سے تو جھوٹ بولے گا، ایک مسلمان سے جھوٹ نہیں بولے گا صریح غلط ہے۔ وہ جب بھی جھوٹ بولے گا یہ نہیں دیکھے گا کہ جس کے سامنے وہ جھوٹ کہہ رہا ہے وہ ایک مسلمان ہے یا ہندو، سکھ اور عیسائی ہے۔

ہماری جماعت میں ایک شخص ہوا کرتا تھا مَیں نے بعض دفعہ اس کا نام بھی لیا ہے مگر اب میں اس کا نام نہیں لوں گا کیونکہ میں اُس کا ایک نقص بیان کرنے لگا ہوں۔ وہ شخص بعد میں شاید پیغامی ہو گیا تھا اور اب تو مر بھی چکا ہے۔ وہ ایک دفعہ میرے ساتھ ایک ایسی جگہ گیا جہاں احمدیت کی تبلیغ نہیں پہنچی تھی۔ اُس کو جھوٹ بولنے کی بہت عادت تھی اور ہم ہمیشہ اُسے کہا کرتے تھے کہ بندۂ خدا تم کبھی تو سچائی سے کام لیا کرو ہمیشہ جھوٹ ہی بولتے ہو۔ ایک دفعہ وہ کسی شخص کو تبلیغ کرنے لگا اور احمدیت کی صداقت ثابت کرنے کے لیے اس نے لیکھرام والی پیشگوئی بیان کرنی شروع کر دی۔ مگر اس نے بیان اس طرح کیا کہ لیکھرام ایک شخص تھا۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق سخت بدزبانی کیا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے متعلق پیشگوئی کی کہ وہ فلاں دن، فلاں تاریخ، فلاں سال اور فلاں وقت قتل کر دیا جائے گا۔ یعنی جن امور کو ہم استدلال کے طور پر بیان کرتے ہیں اُن کو اُس نے اِس رنگ میں بیان کرنا شروع کر دیا کہ گویا انہی لفظوں میں پیشگوئی کی گئی تھی۔ پھر کہنے لگا چونکہ پیشگوئی اتنی واضح تھی اور اس میں لیکھرام کے قتل ہونے کا سال، اس کی تاریخ، اس کا دن بلکہ وقت تک بتا دیا گیا تھا اس لیے جب وہ دن آیا لاہور کی پولیس اس کے مکان کے اندر اور باہر بیٹھ گئی اور چاروں طرف پہرہ دار مقرر کر دیئے گئے تاکہ کوئی شخص قتل کے ارادہ سے اندر داخل نہ ہو سکے۔ میں اُس وقت کوئی کتاب پڑھ رہا تھا وہ یہ باتیں کرتا رہا اور میں سنتا رہا، سنتا رہا۔ آخر کہنے لگا جب مقررہ وقت آپہنچا تو لیکھرام ایک کمرہ کے اندر بیٹھ گیا اور اُس کمرہ کو

باہر سے تالا لگا دیا گیا، سیڑھیوں پر اور مکان کے اندر باہر سب جگہ پولیس بیٹھ گئی اور اپنی طرف سے تمام کوششیں اِس غرض کے لیے کر لی گئیں کہ کوئی شخص اسے قتل نہ کر سکے۔ لیکن وقت گزرنے کے بعد جب لوگوں نے دروازہ کھولا تو وہ اندر زخمی پڑا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کون شخص زخمی کر گیا ہے؟ تو وہ کہنے لگا میں اندر بیٹھا تھا کہ یکدم چھت پھٹی اور اس میں سے ایک فرشتہ نے اندر داخل ہو کر مجھے خنجر سے زخمی کر دیا۔ وہ جب یہاں تک پہنچا تو مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور میں نے اسے کہا کیا اِس قسم کی کذب بیانی پر تمہیں شرم محسوس نہیں ہوتی؟ یہ کونسی پیشگوئی تھی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی اور کب اِس رنگ میں پوری ہوئی۔ اِس پر پہلے تو اُس نے بہانہ بنایا کہ میں نے ایسا ہی پڑھا تھا۔ میں نے کہا یہ تمہارا دوسرا جھوٹ ہے۔ احمدیوں کی کسی کتاب میں، یہاں تک کہ ان رطب ویابس سے بھری ہوئی تحریروں میں بھی جن میں بعض دفعہ ٹوٹی پھوٹی پنجابی کے اشعار درج ہوتے ہیں لیکھرام والی پیشگوئی کو اِس رنگ میں بیان نہیں کیا گیا جس رنگ میں تم نے بیان کیا ہے۔ آخر کہنے لگا میں نے سمجھا تھا کہ دوسرے کے دل میں ایمان پیدا کرنے کے لیے ایسا کرنا جائز ہے۔ میں نے کہا خدا اور اس کا سلسلہ تمہارے جھوٹ کا محتاج نہیں۔ اگر تم جھوٹ بول کر سلسلہ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرتے ہو تو چاہے تم دوسرے کے اندر ایمان پیدا کرنے کے لیے ہی ایسا کیوں نہ کرو، یہ ایک شدید ترین گناہ ہے اور اس کا ارتکاب تمہیں مجرم بنانے والا ہے۔

تو بعض دفعہ انسان یہ خیال کر لیتا ہے کہ فلاں موقع پر جھوٹ بولنا جائز ہے یا فلاں شخص سے بددیانتی، بددیانتی نہیں کہلا سکتی۔ مگر یہ اس کے نفس کا دھوکا ہوتا ہے۔ جسے جھوٹ بولنے کی عادت ہوتی ہے وہ ہر شخص سے جھوٹ بولتا ہے چاہے وہ مسلمان ہو، ہندو ہو، سکھ ہو، عیسائی ہو۔ اور جو شخص سچ بولنے کا عادی ہے وہ مسلمان سے بھی سچ بولے گا، وہ ہندو سے بھی سچ بولے گا، وہ سکھ سے بھی سچ بولے گا، وہ عیسائی سے بھی سچ بولے گا۔ اسی طرح جس شخص کے اندر دیانت پائی جاتی ہے وہ ہر شخص سے دیانتداری کا معاملہ کرے گا چاہے وہ اس کی قوم کا فرد ہو یا کسی اَور قوم کا۔ اور جس شخص کے اندر بددیانتی پائی جاتی ہے وہ ہر شخص سے بددیانتی

کرے گا چاہے وہ اس کے مذہب سے تعلق رکھنے والا ہو یا تعلق نہ رکھنے والا ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے ایک دفعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی چوری ہوگئی۔ ان کا ایک غلام گھبرا کر اِدھر اُدھر دوڑتا پھرتا اور کہتا خدا لعنت کرے اُس شخص پر جس نے چوری کی۔ ارے چوری اور پھر ابو بکر کی چوری۔ شام کو وہی زیور جو چرایا گیا تھا ایک یہودی کے پاس سے ملا اور اُس نے بیان کیا کہ میرے پاس یہی غلام فروخت کرنے کے لیے لایا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا اگر یہ چوری کرنے والے پر لعنت نہ کرتا تو شاید بچ جاتا۔ مگر اس نے تو لعنت ڈال کر اپنے آپ کو خود ننگا کر لیا۔ تو یہ کہنا کہ یہ مسلمان کی چوری نہیں ہندو کی چوری ہے، یا مسلمان سے جھوٹ نہیں بولا گیا سکھ سے جھوٹ بولا گیا ہے، یا مسلمان سے یہ بددیانتی نہیں کی گئی ایک عیسائی سے بددیانتی کی گئی ہے بالکل لغو اور فضول بات ہے۔

مومن کے اخلاق تو ایسے ہونے چاہییں کہ جن لوگوں سے وہ معاملہ کر رہا ہو انہیں وہ خواہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، سب کے ساتھ اس کا حسن سلوک یکساں ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مومن وہ ہے جو ہر ملنے والے کو سلام کرتا ہے۔ چاہے وہ اسے جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔9 اس حدیث کے اَور بھی معنے ہیں مگر اس کا ایک یہ مفہوم بھی ہے کہ مومن کا سلام اور اس کا حُسنِ سلوک کسی خاص شخص سے مخصوص نہیں ہوتا بلکہ ہر شخص کے ساتھ اس کا اخلاقی برتاؤ یکساں ہوتا ہے چاہے وہ اس کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ تو مومن وہی ہے جس کے حُسنِ سلوک اور جس کے اعلیٰ اخلاق کا تعلق کسی خاص شخص یا کسی خاص قوم سے مخصوص نہ ہو بلکہ ہر شخص کے ساتھ اس کا یکساں تعلق ہو۔ خواہ وہ اُس کا واقف ہو یا ناواقف۔ یہ نہ ہو کہ وہ اپنے دوست سے معاملہ کرتے وقت تو حُسنِ سلوک سے کام لے اور دشمن سے معاملہ کرتے وقت بداخلاقی پر اُتر آئے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری جیب میں مشک پڑا ہو اور اس کی خوشبو صرف تمہارا دوست سُونگھے تمہارا دشمن اُس کو نہ سُونگھ سکے؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تمہارے گلے میں پھولوں کا ہار پڑا ہوا ہو اور اس کے پھولوں کی مہک تمہارے دماغ میں تو آئے یا تمہارے عزیزوں کے دماغ میں تو آئے لیکن تمہارا غیر اُس سے محروم رہے؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم

خوبصورت ہو، تمہارا رنگ سفید ہے، تمہارے نقش اچھے ہیں تو تم اپنے دوست کو تو خوبصورت نظر آؤ لیکن دشمن کو خوبصورت نظر نہ آؤ؟ اگر تمہارے اندر حسن پایا جاتا ہے تو وہ ہر شخص کو نظر آئے گا، چاہے وہ تمہارا واقف ہو یا ناواقف۔ اسی طرح اگر تمہارے گھر میں گند ہو گا تو یہ نہیں ہو گا کہ وہاں اگر تمہارا دشمن آجائے تو اس کا دماغ تو گند سے پھٹنے لگے لیکن تمہارے دوست کو گند محسوس نہ ہو۔ یقیناً جس طرح تمہارے دشمن کا دماغ پھٹے گا اُسی طرح اُس گند سے تمہارے دوست کا دماغ بھی پھٹے گا۔ اسی طرح اگر تمہارے پاس خوشبو ہے تو وہ ہر ایک کو آئے گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ دوست کو آئے اور دشمن کو نہ آئے۔ اگر خوشبو تم میں اور تمہارے غیر میں امتیاز نہیں کر سکتی تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ تمہارے دل میں ایمان پایا جائے اور پھر تم زید سے اَور سلوک کرو اور بکر سے اَور سلوک کرو، مسلمانوں سے اَور رنگ میں پیش آؤ اور ہندوؤں، سکھوں اَور عیسائیوں سے اور رنگ میں پیش آؤ۔ اگر تمہارے دل میں ایمان ہو گا، اگر تم واقع میں با اخلاق ہو گے اور اگر تم حقیقت میں اپنے اندر نیکی اور تقوٰی رکھتے ہو گے تو تمہاری نیکی کی خوشبو جس طرح تمہارے دوست کے ناک میں جائے گی اُسی طرح تمہارا دشمن بھی اس سے متاثر ہو گا۔ لیکن اگر ایسا نہیں، اگر تمہارا دشمن تمہارے اندر اعلیٰ اخلاق نہیں دیکھتا، اگر تمہارے حسن سلوک کا وہ کوئی مشاہدہ نہیں کرتا تو اس کے معنے یہ ہیں کہ تمہارے اندر ایمان نہیں پایا جاتا۔ ورنہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک ہی شیشی کا منہ جب دوستوں کی طرف ہو تو انہیں اس میں سے خوشبو آئے اور جب اس کا منہ دشمنوں کی طرف کر دیا جائے تو انہیں اس سے بدبو محسوس ہو۔

پس اخلاق کی درستی نہایت ہی ضروری چیز ہے اور ہماری جماعت کے دوستوں کو اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ یاد رکھو! اخلاق کے بغیر تم میں کبھی وہ مضبوطی اور وہ جرأت پیدا نہیں ہو سکتی جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ مومن تو اپنے ایمان میں ایسی پختگی رکھتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے دین کے لیے ہر قربانی کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ زمین و آسمان ٹل سکتے ہیں لیکن اس کی قربانی کے ارادے نہیں ٹل سکتے کیونکہ وہ غیر متزلزل ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اُحد پہاڑ کے متعلق اگر تم سنو کہ وہ اپنی جگہ سے بدل گیا ہے تو اسے تسلیم کر لو لیکن تم اس بات کو کبھی تسلیم نہ کرو کہ کسی شخص کی فطرت اور

طبیعت بدل گئی ہے۔ اسی طرح جب ایمان کسی شخص کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتا ہے تو اُسے کوئی طاقت ایمان سے منحرف نہیں کر سکتی۔ اس کا سلوک جیسے مومنوں سے ہوتا ہے اُسی طرح کافروں سے حسنِ سلوک کرنا اس کا شیوہ ہوتا ہے۔ جس طرح تمہاری شکلیں تبدیل نہیں ہو سکتیں، جس طرح تمہارا رنگ تبدیل نہیں ہو سکتا، جس طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہاری شکل تمہارے دوست کو اَور طرح نظر آئے اور تمہارے دشمن کو اَور طرح دکھائی دے، تمہارا دوست تمہارے رنگ کو سفید سمجھے اور تمہارا دشمن تمہارے رنگ کو سیاہ سمجھے اِسی طرح اگر ایمان تمہاری طبیعتِ ثانیہ بن چکا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ تم ایک سے کچھ سلوک کرو اور دوسرے سے کچھ سلوک کرو۔ لیکن اگر تمہاری طبیعتِ ثانیہ نہیں بنا تو جب بھی قربانی کا موقع آئے گا تم پھسل جاؤ گے اور تم کبھی بھی مومنوں کی صف میں کھڑے نہیں رہ سکو گے۔

پس اگر ایمان کسی شخص کی طبیعتِ ثانیہ نہیں بنا۔ یا اگر کوئی شخص ایسا ہے جو کہتا ہے میں احمدی سے جھوٹ نہیں بولتا صرف غیر احمدی سے جھوٹ بولتا ہوں، یا احمدی سے بددیانتی نہیں کرتا صرف ہندو یا سکھ سے بددیانتی کرنا جائز سمجھتا ہوں تو یہ ثبوت ہوتا ہے اس بات کا، یہ تھرمامیٹر ہوتا ہے اس امر کے پہچاننے کا کہ تمہارے اندر کس قدر ایمان پایا جاتا ہے۔ پس اگر کسی شخص میں یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ اپنوں اور غیروں سے معاملہ کرتے وقت اخلاق اور حُسنِ سلوک میں امتیاز کرتا ہے تو اُسے سمجھ لینا چاہیے کہ اُس کا ایمان کچا ہے اور جب بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے اُس کے دین کے لیے قربانی کی آواز آئے گی اُس کا نفس کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اُسے قبول کرنے سے محروم رہ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس نقص سے بچائے اور ہمارے اندر وہ اخلاق پیدا فرمائے جو دنیا میں ہر شخص کو نظر آنے لگ جائیں۔ خواہ وہ ہمارا واقف ہو یا ناواقف اور خواہ وہ ہمارے مذہب کو ماننے والا ہو یا نہ ماننے والا۔ ہمارا حسن سلوک ہر شخص سے یکساں ہو اور ہمارے اندر وہ اپنے فضل و کرم سے ایسی مضبوطی پیدا کرے کہ ہم خدا تعالیٰ کی آواز سننے اور اُسے قبول کرنے کے لیے ہر وقت اور ہر حالت میں تیار رہیں۔ اَللّٰھُمَّ آمِیْنَ۔"

(الفضل 12 / اپریل 1944ء)

1: ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی کراھیۃ الکلام والامام یخطب

2 :بخاری کتاب الجہاد باب فضلِ النَّفَقَةِ فی سبیل اللہ

3 :بخاری کتاب الجہاد باب یقاتل من وراء الامام ویتقی بہ

4 :الانعام:164

5 : عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ(التوبۃ:43)

6 :زاد المعاد، حصہ سوم، صفحہ 50 (اردو ترجمہ از رئیس احمد جعفری)مطبوعہ انٹرنیشنل پریس کراچی۔1962ء

7 :المائدۃ:25

8 :ضمیمہ تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد17 صفحہ 77

9:بخاری کتاب الاستئذان باب السلام للمعرفۃ وغیر المعرفۃِ